جناب ابو علی صاحب

حضرت سید محمد جونپوری ؒ

اور

مولانا ابو الکلام آزاد ؒ

سید محمد جونپوری، جون پور کے رہنے والے تھے۔ ۸۴۷ء میں پیدا ہوئے ان کے جو شدید مخالف تھے وہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ علوم رسمیہ میں کمال کے ساتھ زہد و درویشی اور ورع و تقویٰ میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ شیخ علی متقی جو ان کے معاصر اور سخت مخالف تھے اور ان کے رد میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے، وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا ابتدائی عہد کمال زہد و تقشف اور استغراق و استہلاک باطنی میں گذرا۔ سات سال تک ان کا یہ حال رہا کہ پے در پے روزہ رکھتے اور تن تنہا ایک گوشہ میں پڑے رہتے۔ اسی اثنا میں یہ کیفیت طاری ہوئی، کہ ان کو محسوس ہوا کہ کہیں سے صدا آرہی ہے، کہ " انت المهدی " تم مہدی ہو۔ برسوں تک متامل اور سوچتے رہے کہ معاملہ کیا ہے لیکن جب یہ آواز مسلسل سنائی دی تو انہوں نے اپنے مہدی ہونے کا اعلان کردیا۔

نویں صدی ہجری کا زمانہ جو اکبر سے پہلے گذرا وہ بڑا ہی پُر آشوب تھا۔ سخت بدامنی اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی روز بروز بادشاہتیں قائم ہوتیں اور ختم ہو جاتیں۔ کوئی مرکزی حکومت باقی نہیں رہی تھی جو احکام شرع کے اجرا، اور قیام کی ذمہ دار ہوتی۔ علمائے دنیا ہر طرف پھیلے ہوئے تھے اور وہ طرح طرح کے فتنے برپا کرتے رہتے تھے دنیا طلبی اور مکر و زور کی گرم بازاری تھی ان سب سے بڑھ کر یہ تھا کہ جاہل صوفیوں کی بدعات و منکرات نے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا یہ حال سید موصوف سے نہ دیکھا گیا اور انہوں نے بلا خوف لومۃ لائم احیائے شریعت اور قیام امر بالمعروف کا غلغلہ بلند کردیا اور لوگوں سے کہا کہ اس وقت مجاہدہ و ریاضت اور ذکر و شغل کی ضرورت نہیں ہے سب سے بڑا مجاہدہ یہ ہے کہ خلق اللہ کو سیدھی راہ پر لگاؤ۔ اور احکام شرعیہ کے اجرا کی راہ میں اپنی جانیں لڑادو، اللہ تعالیٰ کی دعوت و تذکیر میں ایسی تاثیر بخشی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں آدمی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے اور متعدد فرماں روایانِ وقت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے معتقدین کے طور و طریق ایسے عاشقانہ اور والہانہ تھے کہ ان کو دیکھ کر صحابۂ کرام کے خصائص ایمانی کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ انہوں نے خون کے رشتوں اور وطن و زمین کی الفتوں

کو ایمان اور محبت الٰہی کے رشتنے پر قربان کر دیا تھا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر راہ حق میں نکل پڑے اور ایک دوسرے کے رفیق اور غم گسار بن گئے۔ اور بجز خلق اللہ کی ہدایت، خدمت اور احکام شرع کے اجراء کے دنیا کے اور کسی کام سے ان کو واسطہ نہ تھا۔ جو ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوتا اس کے لئے تین منزلوں سے گذرنا ضروری تھا ایک یہ تھی کہ جو اس راہ میں قدم رکھے وہ قید وطن سے آزاد اور گھر بار چھوڑ کر اپنے برادران طریقت کا ساتھی اور غم گسار بن جائے۔ دوسری منزل ترک مال کی ہے۔ یعنی اس کے پاس جو کچھ ہو وہ اپنے یار طریقت میں بانٹ دے ــــــــ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون تیسری منزل اس راہ کی ترک جان کی ہے فتمنوا الموت ان کنتم صادقین اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ یعنی ہر وقت راہ خدا میں سر بکف رہو۔ اگر اعدائے شریعت سرنگوں نہ ہوں تو قوت حدید سے کام لو۔ فیہ باس شدید یہی چند باتیں تھیں جن پر ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے کے بعد عمل کرنا ضروری تھا اور یہ سب کی سب بالکل حق تھیں عشق و محبت الٰہی کی راہ میں جاں سپاری کتنی بڑی سعادت ہے لیکن افسوس کہ آگے چل کر خود ان کے معتقدوں نے ان کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔

ترک جان و ترک مال و ترک سر
در طریق عشق اول منزل است

ان کی یہ تعلیمات تھیں جن کو ان کے موافقین اور مخالفین سب نے لکھا ہے لیکن ان کے معتقدین نے ان کو شرع کا رنگ دے دیا اور مخالفین کو ان کی مخالفت کا ایک بہانہ آگیا اور بعض باتوں کو تکفیر و تفسیق کے لئے محبت ٹھہرا لیا افسوس ہے کہ دنیا کی تاریخ ہدایت و اصلاح کی نصف گتھیاں اس سوء فہم اور تاویل و تعبیر باطل کی الجھائی ہوئی ہیں۔ کہا کچھ گیا اور سمجھا کچھ گیا معتقدین نے غلو کیا اور مخالفین نے تعصب و تشدد سے کام لیا اور اس تاریکی میں اصل حقیقت گم ہو کر رہ گئی۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا ست
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

سب راہ کا سب سے بڑا فتنہ یہی سوء فہم ہے۔ بتلانے والوں نے کیا کہا تھا اور سمجھنے والوں نے سمجھا کیا کہ ان غلط فہمیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہر طرف سے مخالفت ہونے لگی۔ پہلے تضلیل و تکفیر کا سلسلہ چلا۔ پھر کشت و خون تک نوبت پہنچی۔ سب سے زیادہ علماء دنیا کو ان کی ہوا پرستیوں اور رغفلت پر سرزنش کرتے تھے۔ جب مخالفت کا بہت زور ہوا تو گجرات چلے گئے۔ سلطان محمود دکلاں صورت دیکھتے ہی معتقد ہو گیا۔ لیکن علماء سوء نے ان کو وہاں بھی نہ بخشا اور مخالفت شروع کر دی۔ مجبوراً حجاز کا رخ کیا۔ وہاں سے ایران گئے۔ سلطان اسماعیل صفوی کا زمانہ تھا۔ اس نے ان کے اردگرد ہجوم خلائق دیکھا تو ایران سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ہندوستان کی طرف واپس آرہے تھے کہ فراہ میں انتقال ہو گیا

ملا عبدالقادر بدایونی ۹۱۱ھ کے واقعات کے سلسلے میں لکھتے ہیں :۔

در یں سال سید محمد جونپوری قدس سرہٗ از اعاظم اولیائے کبار کہ دعویٰ مہدویت از سر بر زدہ بود ہنگام مراجعت از مکہ معظمہ بجانب ہند در بلدۂ فراہ داعی حق را لبیک فرمود۔

اس سے علوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ معظمہ ہو کر ہندوستان آرہے تھے اور جب فراہ میں پہنچے تو انتقال ہو گیا ان کی طرف طرح طرح کے دعاوی اور شطحیات منسوب کئے گئے ہیں۔ معتقدین کو تو چھوڑ یئے کہ وہ جس سے عقیدت رکھتے ہیں تو اس کو خدا بنائے بغیر نہیں رہتے۔ زیادہ احتیاط کی تو اس کو نبوت تک پہنچا دیا۔ لیکن ان کے معاملے میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ :۔

"سید محمد جونپوری کا یہ اعتقاد تھا کہ جو کمال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے تھے، وہی کمال ان کو بھی حاصل تھا۔ فرق اتنا تھا کہ حضور کو براہ راست خدا کی طرف سے یہ کمال حاصل تھا اور ان کو حضورؐ کے اتباع میں اور تبعیت رسول اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ روحانی کمالات میں اسی کی طرح ہو گئے"

لیکن شاہ صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ سید موصوف نے یہ بات کہی یا ان کے مریدین و معتقدین کی پیر پرستانہ منقبت سرائی ہے۔ ام العقاید جو ان کی جانب منسوب ہے وہ ان کے مریدوں کی لکھی ہوئی ہے ۔

ہدیۂ مہدویہ نے اس کی عبارتیں نقل کی ہیں لیکن ان کا انتخاب سید محمد کی جانب مشکوک و محل نظر ہے۔ بہرحال اس قسم کی باتیں دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ معتقدین کا غلو، افراط عقیدت، سوء فہم اور زیغ نظر ہے یا غلبۂ حال کا نتیجہ ہے جو اس راہ کے بڑے بڑے کاملین اور واصلین تک کو پیش آئے ہیں۔ کسی نے اس عالم میں "لوائی ارفع من لواء محمد" کہا اور کوئی "سبحانی سبحانی ما اعظم شانی" پکار اٹھا اور کوئی کچھ اور کوئی کچھ۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

تو اگر ان تمام حضرات کی طرف سے مغلوبیت سکر و حال کا نتیجہ قرار دے کر خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے اور ان کے اسلام و ایمان پر شک نہیں کیا جاتا تو پھر سید محمد جونپوری نے کیا قصور کیا ہے کہ کمال زہد و ورع، اتباع شریعت، قیام امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ایثار فی اللہ وغیرہ کی بنا پر جس پر موافق تو موافق، مخالف تک کو انکار نہیں۔ ان کو حسن ظن اسلامی کا مستحق نہ سمجھا جائے اور صرف چند کلمات غریبہ کی بنا پر جن کی اصلیت مشتبہ ہے ان کو مومن نہ سمجھنے پر اتر آئیں ؎

لالہ ساغر گیر و نرگس مست و برما نام فسق
داوری خواہم مگر یارب کرا داور کنم

مہدوی ان ہی بزرگ کی طرف منسوب ہے۔ اس کی بنیاد تو درحقیقت صداقت وحق پرستی پر پڑی تھی۔ یعنی دعوت حق، احیائے شریعت، قیام فرض امر و نہی عن المنکر وغیرہ وغیرہ خود سید محمد اور ان کے پیر و بڑے ہی پاک نفس اور خدا پرست تھے۔ جن کو دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا لیکن افسوس کہ رفتہ رفتہ اس کی بنیادی صداقت غلو و محدثات میں گم ہو گئی اور فرقہ مہدویہ کو مسلمانوں کے گمراہ فرقوں میں شامل کر لیا گیا اور اس وقت سے اس کے خلاف تکفیر شروع ہوئی تو اب تک قائم ہے (ملخص از تذکرۂ مولانا ابوالکلام آزاد)

یہ مولانا ابوالکلام آزاد پہلے بزرگ ہیں جو تاریخ کے حقائق کی روشنی میں اپنی اس کتاب "تذکرہ" میں ان کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہیں اور ان کو امر بالمعروف، نہی عن المنکر، احیائے شریعت اور دعوتِ حق کا علمبردار قرار دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت سید محمد جونپوری نے خود اس کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ انہوں نے کبھی اپنے کو مہدی موعود سمجھا۔ اگر عالم سکر میں یہ الفاظ ان کی زبان پر آگئے تھے تو سکر کی کیفیت دور ہو جانے کے بعد اس کی تردید بھی فرمادی۔ جیساکہ خزینۃ الاصفیاء اور تحفۃ الاکرام وغیرہ میں ہے۔ مراۃ محمدی کے مصنف نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔

یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ ان کی دعوتِ حق کی جو تحریک ہندوستان سے گذر کر ایران وعرب و حجاز تک پہنچ گئی تھی۔ اور جس کے حلقۂ ارادت میں وقت کے بڑے بڑے سلاطین، علماء اور زہاد آگئے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی قلم برداشتہ چند سطروں کے سوا جو ضمناً علماء دنیا پرست کے ذکر کے سلسلے میں تذکرہ میں آگئی ہیں۔ اردو میں اب تک کچھ نہیں لکھا گیا۔ ایک صاحب نے الفرقان لکھنؤ میں فارسی کے بعض تذکروں کی مدد سے اس پر لکھنا شروع کیا تو وہ بھی مواد کی کمی سے تشنہ رہ گیا۔ زیادہ تر انہوں نے اس تذکرہ کو اپنے مضمون کا ماخذ قرار دیا ہے۔ اپنی کوئی نئی تحقیق، جیساکہ توقع تھی پیش نہیں کی۔ ضرورت ہے کہ کوئی صاحب اس کو اپنی تحقیق کا موضوع بنائیں۔ عربی، فارسی اور اردو میں سید محمد جونپوری اور ان کی تحریک مہدویت کے متعلق جو کچھ ہے اس کو تلاش کر کے منظر عام پر لائیں۔

خود مولانا ابوالکلام صاحب نے بھی اس کو تذکرہ میں ضمناً ہی لکھا ہے۔ تحقیق کا حق جیساکہ چاہئے تھا ادا نہیں کیا۔ شیر شاہی و سلیم شاہی عہد کے اکابر اولیاء میں ایک بزرگ شیخ داؤد جہنی وال تھے۔ ان پر مہدوی ہونے کا شبہ تھا۔ اتنی ہی بات مخدوم الملک کی مخالفت کا سبب بن گئی۔ جو اس وقت بڑے اقتدار کے مالک تھے اور جو چاہتے تھے ان سوری فرماں رواؤں سے منوا لیتے تھے لیکن شیخ پر یہ الزام ثابت نہ ہو سکا ورنہ ان کے لئے بھی جام شہادت تیار ہو جاتا جو مخدوم الملک کے ہاتھوں بعض دوسرے اہل اللہ کو پینا پڑا۔ ان ہی بزرگ کے ذکر کے سلسلے میں سید محمد جونپوری اور ان کی تحریک مہدویت پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

عہدِ مغلیہ پر اردو زبان کے معتبر مورخ سید صباح الدین عبدالرحمٰن اپنی کتاب میں بزمِ تیموریہ کے دوسرے ایڈیشن میں جو پہلے ایڈیشن سے کہیں زیادہ ضخیم ہے اور جو صرف بابر سے لے کر اکبر تک کے حالات پر مشتمل ہے

اکبری دور کے امراء کے ذیل میں مخدوم الملک کے متعلق رقم طراز ہیں۔

"مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری کا لقب تھا یہ مضافات لاہور کے رہنے والے تھے ان کا خاندان انصاری تھا، عربی، اصول فقہ، تاریخ اور علوم منقولات میں ان کو بڑی اعلیٰ دستگاہ حاصل تھی۔ علوم دینی میں اپنی اعلیٰ قابلیت کی بنا پر ہمایوں کے دربار سے وابستہ ہوتے تو اس نے ان کو مخدوم الملک کا خطاب اور شیخ الاسلام کا عہدہ عطا کیا۔ شریعت کی ترویج میں برابر کوشاں رہے۔ بہت متعصب سنی تھے ملحدوں اور شیعوں سے ان کو سخت نفرت تھی۔ شیر شاہ کے مقابلے میں بدقسمتی سے جب ہمایوں کو شکست ہوگئی اور وہ بھاگ کر ایران چلا گیا تو مولانا عبداللہ سور خاندان کے حکمرانوں کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ اس زمانے میں تحریک مہدویت کا بڑا زور تھا وہ اس کے سخت مخالف تھے جس پر بھی ان کو مہدویت کا شبہ ہو جاتا اس کو سزا دئے بغیر نہیں رہتے سلیم شاہ سوری کے عہد کے دو جلیل القدر علماء شیخ علائی اور شیخ نیازی مہدویت کے علمبردار تھے شیخ علائی کو پکڑوا کر اتنے درّے لگوائے کہ وہ جاں بحق ہو گئے۔

ملّا عبدالقادر بدایونی ان کو اپنی تاریخ میں درویش آزاد سے یاد کرتے ہیں"

سلیم شاہ، مخدوم الملک کی جس قدر عزت کرتا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ وہ اور مخدوم الملک ایک ساتھ ایک تنگ گلی سے گزر رہے تھے کہ سامنے سے ایک مست ہاتھی آتا ہوا دکھائی دیا۔ مخدوم الملک نے جوش وفاداری میں آگے بڑھ کر ہاتھی کو روکنا چاہا تو سلیم شاہ نے ان کو روک دیا اور کہا کہ مجھے آگے بڑھنے دیجئے اگر میں ہلاک ہو گیا تو میری جرار فوج کے یہ نولاکھ افغانی وہ جگہ پُر کر سکتے ہیں اور سلطنت کو انتشار سے بچا سکتے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ آپ جاں بحق ہو گئے تو آپ جیسا ہندوستان میں ایک مدت مدید تک عالم پیدا نہ ہو سکے گا۔

ایک مرتبہ وہ دربار میں آئے تو ان کو اپنے تخت پر بٹھایا اور موتی کی ایک تسبیح ان کو پیش کی جس کی قیمت بیس ہزار روپے تھی۔

سوری خاندان کا خاتمہ ہو گیا تو مولانا عبداللہ اکبر کے دربار میں آ گئے۔ جہاں انہوں نے علمی فضیلت اور دینی کمالات کی وجہ سے امارت کے ساتھ بڑا جاہ و جلال بھی حاصل کر لیا۔ ملک کی سیاست میں بھی ان کا بڑا عمل دخل تھا اور اس سلسلہ میں انہوں نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دئے۔ گجرات کی فتح تک ان کو بڑا عروج اور اقتدار حاصل تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے شیخ ناگوری پر مہدوی اور بدعتی ہونے کا الزام رکھ کر اکبر سے ان کی گرفتاری کی اجازت

بھی لے لی۔ مگر رفتہ رفتہ جب شیخ مبارک ناگوری اور ان کے لائق لڑکوں ابو الفضل اور فیضی کا رسوخ دربار میں بڑھا تو مولانا عبد اللہ پر زوال آگیا۔

مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنی اس کتاب میں ان کے محض فقہی حیل اور مہدویت کی مخالفت کی بنا پر علماء سوء میں شمار کیا ہے اور ان کے عجیب وغریب قصے لکھے ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے۔ کہ باایں ہمہ دولت وتمول جو انہوں نے اپنی شیخ الاسلامی کے زمانے میں حاصل کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی خاندانی قبروں میں چاندی سونے کی اینٹیں مدفون کر دی تھیں۔ عمر بھر کبھی زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اپنا سارا اندوختہ اپنی بیوی کے نام منتقل کر دیتے تھے اور وہ ایک سال پورا ہونے سے پہلے ان کے نام بخش دیتی۔ اس طرح حول کامل دونوں میں سے کسی پر نہ گذرتا کہ ادائے زکوٰۃ کی شرط پر دونوں اترتے۔ یہی وہ ہمیشہ کرتے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حج بھی نہیں کیا کہ حج کے فرض ہونے کی بھی یہی شرط ہے لیکن جب ان پر زوال آیا تو ان کو زبردستی حج کے لئے بھیجا گیا۔ بلکہ ان کو وہیں جلا وطن بھی کر دیا گیا۔ لیکن ایک امیر کی سفارش سے ان کو پھر ہندوستان آنے کی اجازت مل گئی۔ لیکن عمر نے وفا نہیں کی اور انتقال کر گئے۔

معلوم نہیں ان کی دولت وثروت کا کیا حشر ہوا۔ ان کو مہدویت کے استیصال میں بڑا دخل ہے اور وہ بالآخر ختم ہو گئی۔ یہاں تک کہ لٹریچر بھی عام طور سے نہیں ملتا۔ حیدر آباد سے دو ایک رسالے اس کے متعلق شائع ہوئے ہیں لیکن وہ اتنے مختصر ہیں کہ ان کو پڑھ کر تشفی نہیں ہوتی۔ مولانا نے اپنے زمانۂ نظر بندی رانچی میں علمائے سوء کے تذکرہ کے سلسلہ میں ضمناً اس لئے اس پر کسی قدر روشنی ڈالی تھی کہ کوئی صاحب ہمت اس سے آگے بڑھ کر اپنی تحقیق کا مستقل موضوع بنائیں گے۔ اور اس تحریک کے مالہٗ وما علیہ پر اس کے تمام لٹریچر کو سامنے رکھ کر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔ لیکن افسوس کہ آج تک اس پر ایک حرف کا اضافہ نہ ہو سکا۔ اور یہ موضوع ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے کیا یونیورسٹیوں اور ڈگری کالجوں کے اسلامیات کے ریسرچ اسکالر اور ندوہ و دیو بند وغیرہ کے فضلاء اس کو اپنی تحقیق کا موضوع بنائیں گے؟ اس میں محنت ضرور ہے لیکن اس سے ہندوستان کی اپنی تاریخ کا ایک گوشہ ضرور سامنے آجائے گا ‗

موتمر المصنفین کی عظیم تاریخی پیشکش
امام اعظم ابو حنیفہؒ کا نظریۂ انقلاب و سیاست
تصنیف، مولانا عبد القیوم حقانی
سیاست کا اسلامی مفہوم اور تشریح، امام ابو حنیفہؒ کا سیاسی مسلک و کردار، سیاسی تجربے اور کارنامے، ایک ہمہ گیر انقلابی تحریک اور منظم سیاسی جماعت کی ضرورت تشکیل اور نصب العین، فقہ حنفی کی قانونی جامعیت سیاست میں شرافت کا اصول، جبر و ظلم کے مقابلے میں استقامت و پامردی، موجودہ دور میں سیاسی عمل کے رہنما اصول اور دیگر کئی ایک اہم موضوعات پر سیر حاصل بحث — قیمت ۶ روپے
موتمر المصنفین، دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، پشاور